غلام گردش

نیویارک

نیویارک سے واپسی پر ذہن میں مختلف بلکہ متضاد خیالات ذہن میں برپا ہیں۔طویل سفر میں اس فکری طوفان سے لڑنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔کئی سوالات سے تو بذات خود خوف زدہ تھا۔اس لئے کہ ان کے جواب تو کچھ کچھ معلوم ہیں مگر ہمارے جیسے بنجر معاشرے میں اس طرز کی فکری جستجو بذات خود برباد ہونے کی وجہ بن سکتا ہے۔بہرحال پوچھنے میں حق بجانب ہوں کہ ہمارا ملک اس قدر پیچھے کیسے اور کیونکر رہ گیا؟ ہم تمام دعودؤں اور پارسائی کا لبادہ اوڑھے ہوئے اقوام عالم میں باعث تضحیک کیوں قرار پائے؟ ہمارے ہاں کسی قسم کی ترقی ممکن کیوں نہیں رہی! فکری آزادی کی بنیادی دہلیز پر ہی کیسے ڈھیر ہو گئے؟ ان گنت مرتبہ امریکہ جا چکا ہوں۔مگر اس بار' ایک ماہ سے کچھ زیادہ وقت ایک ہی شہر میں بسر کرنے کا تجربہ پہلی مرتبہ ہوا۔ویسے نیویارک بذات خود حیرت کدہ ہے۔اگر اس شہر میں دن رات بسر ہونے لگیں تو پھر امریکہ میں دیگر شہروں میں جانے کا جواز کچھ کم ہی رہ جاتا ہے۔دوستوں اور عزیزوں کی ایک کثیر تعداد امریکہ میں ہونے کے باوجود اپنے رہنے کا بندوبست خود کر رکھا تھا۔میری اہلیہ اور بڑا بیٹا' مبارز حیات میرے ساتھ ہی قیام پذیر تھے۔مبارز کی بدولت نیویارک میں حد درجہ سہولت رہی۔مثال دینا چاہتا ہوں۔آمدورفت کے لئے اوبر گاڑی کی سہولت تو شہر کے چپے چپے میں موجود تھی۔مگر آپ ڈرائیور کو نقد پیسے نہیں دے سکتے۔کریڈٹ کارڈ کے ذریعے جب تک اوبر کا اکاؤنٹ نہ بنائے۔گاڑی نہیں منگوا سکتے۔شروع شروع میں تو یہ گمان ہوا کہ مجھے اوبر منگوانے کا درست طریقہ نہیں معلوم۔مگر پھر مبارز میاں نے بتایا کہ آپ کریڈٹ کارڈ کے ذریعے اکاؤنٹ بنائیں۔اکاؤنٹ بھی بیٹے نے بنا کر دیا۔پھر اسی کے ذریعے اوبر گاڑی منگواتا رہا۔دراصل پورا امریکہ اس وقت آن لائن ہے۔زندگی کے کسی بھی معاملہ میں اگر آپ کمپیوٹر سے نابلد ہیں تو یقین جانیئے' حد درجہ دشواری کا شکار رہیں گے۔بالکل اسی طرح' گوگل میپ کے ذریعے بالکل معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے کہاں اور کس راستے سے جانا ہے۔فون میں اگر گوگل میپ موجود نہیں ہے تو یہی سمجھیئے کہ آپ تقریباً نابینا ہو چکے ہیں۔

نیوریارک شہر ایک فرائنگ پین کی حیثیت رکھتا ہے۔یہاں آ کر دنیا کی تمام قومیں' آگ کی تپش پر گھی کی طرح پگھل جاتی ہیں۔ٹائم سکوائر میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔چند کلومیٹر کی ان سڑکوں پر مشتمل ٹائم سکوائر میں ہر وقت پوری دنیا سے آئے ہوئے لوگ موجود رہتے ہیں۔ہر طرح کی زبانیں بولی جا رہی ہوتی ہیں۔کھوا سے کھوا چھلتا ہے۔انسان حیران ہو جاتا ہے کہ خدا تیری زمین پر اتنا خوشگوار تنوع موجود ہے۔پولیس حد درجہ فعال موجود نظر آتی ہے۔کسی کی جرأت نہیں کہ اگر پولیس کے ایک سپاہی نے روک دیا تو ہل بھی سکے۔قانون کی حکمرانی کی عملی مثال بہرحال وہاں خوب نظر آتی ہے۔دراصل ہر سپاہی

کے پیچھے ریاست کی بھرپور طاقت موجود ہے۔ایک عام سے سپاہی کو بھی نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ پولیس وہاں خوف کی نہیں بلکہ حفاظت کی علامت ہے۔کاش وہاں سے یہ اصول اپنے ہاں بھی لا سکتے۔مگر شائد مٹی کی تاثیر میں فرق ہے۔ ہمارے ہاں کوئی بھی حکومتی ادارہ اپنے آپ کو عوام کا حقیقی خدمت گزار قرار نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی پروپیگنڈے کے ذریعے خدمت گزاری کا اعلان کرتا بھی ہے۔تو لوگوں میں پھر بھی اس کا تاثر مثبت نہیں ہوتا۔ کیونکہ زمینی حقائق بالکل متضاد ہوتے ہیں۔ بہرحال امریکہ میں حکومت' اپنے شہریوں کے لئے ہر وقت اور ہر جگہ بنیادی طاقت سے مستعد نظر آتی ہے۔ پہلے دن میں بوتل والا پانی لے کر آیا تو یمنی دکاندار پوچھنے لگا کہ پانی کیوں خرید رہا ہوں۔سوال پر حیرت زدہ رہ گیا۔ پینے کے لئے اور کیا۔اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔اور کہا کہ پیسے ضائع مت کرو۔ یہاں نلکے کا پانی پینے کے لئے بالکل درست ہے۔عجیب سا لگا۔ بہرحال عام نلکے کا پانی پینا شروع کیا۔ بات درست نکلی۔ پورے نیویارک بلکہ پورے امریکہ میں' عام ٹونٹی کا پانی پینے کیلئے بالکل درست قرار دیا گیا ہے۔امیر اور غریب علاقوں میں یہ سہولت بھرپور طریقے سے یکساں ہے۔اس سے زیادہ حکومتی ذمہ داری مزید کس طرح پوری کی جاسکتی ہے۔

نیویارک کی سڑکوں پر ہر قبیل اور وضع کا آدمی نظر آتا ہے۔سیاہ فام لوگ مقامی بوقلمونی کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کی زبان سمجھنے کے لئے کافی توجہ درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ لہجہ سفید فام لوگوں سے قدرے مختلف ہے۔ ہر آدم زاد اپنی دھن میں مگن۔کسی کو کسی سے غرض نہیں۔ ہر شخص اپنی ذاتی آزادی کو مقدم ترین خیال کرتا ہے اور درست گمان ہے۔ ہر مذہب کے پیروکار بھی بغیر کسی مشکل کے ایک دوسرے کے ساتھ کامیابی سے زندگی گزار رہے ہیں۔مگر ایک بات جو طالب علم نے محسوس کی۔ ہندوستانی لوگوں کا ہمارے ملک کے باسیوں سے رویہ قدرے درشت ہے۔امریکہ میں انڈین لابی حد درجہ فعال اور مضبوط ہے۔انڈیا سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد ہمارے تارکین وطن سے بہت زیادہ ہے۔رویے کا پتہ یوں بھی چلتا ہے۔ کہ جب آپ کھانا کھانے کے لئے کسی دیسی ریسٹوڈنٹ میں جاتے ہیں۔ وہاں اگر انڈین ملازم' موجود ہے تو وہ آپ کو اس طرح خوش آمدید نہیں کہتا جس طرح مقامی لوگوں کو کرتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی باہمی نفرت اب اپنی اپنی سرحدوں سے بھی باہر نکل چکی ہے۔ یہ کیسے کم ہوگی۔اس کا جواب کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ایک بڑے سٹور کے پاکستانی مالک نے بتایا کہ کوئی ہندوستانی سٹور سے کوئی چیز نہیں خریدتا۔کوشش کرتا ہے کہ وہاں سے چیز خریدے جہاں ہندوستانی مالک ہو۔اس کشمکش کا ہمارے ہاں کم ذکر کیا جاتا ہے۔

نیویارک میں اہم ترین مقامات پر گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں موجود ہیں۔مساجد کم نظر آتی ہیں۔ ہیں بھی تو عام سی عمارت میں قائم ہیں۔دو مساجد میں جانے کا اتفاق ہوا۔وہاں حالات بالکل پاکستان جیسے ہی ہیں۔ جوتوں کی حفاظت

کے لئے ہر بشر اس طرح فعال نظر آیا جس طرح ہم اپنے ملک میں کرتے ہیں۔ مساجد میں اکثریت سیاہ فام لوگوں کی تھی۔ یہاں ضرور عرض کروں گا کہ ہمیں یہودیوں کی طاقت کا بالکل اندازہ نہیں ہے۔ ان کی معاشی' اقصادی اور ساجی طاقت کا درست اندازہ امریکہ میں ہوتا ہے۔ نیویارک میں ماؤنٹ سینائی نام کے حد درجہ بڑے بڑے ہسپتال' یہودیوں کی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ ''جوٹر یڈرز'' کے نام کے سپر سٹور بھی انہیں کے ہیں۔ ان کا شدت پسند عنصر بھی مخصوص کالے لباس' بالوں کی طویل لٹوں میں نظر آتا ہے۔ مگر یہودیوں کی اکثریت معتدل مزاج ہے۔ شاید آپ کے لئے یہ نکتہ حیرت انگیز ہو کہ یہودی' مسلمانوں سے اچھے تعلقات رکھتے ہیں اور انہیں مذہبی بنیادوں پر قطعاً ناپسند نہیں کرتے۔ ہمارا رویہ بہر حال ان کے ساتھ بہت دوستانہ نہیں ہے۔ امریکہ میں تمام معاشروں اور مذاہب کے لوگ اپنی اپنی فکری اور شخصی آزادی کے ساتھ اطمینان سے رہ رہے ہیں۔ تمام دوست نیویارک آتے رہے۔ ڈکٹر علی حماد تو کینسس سے متعدد بار نیویارک آیا۔ اسی طرح حسیب احمد سے پینتالیس سال بعد ملاقات ہوئی۔ حسیب واشنگٹن میں ہے اور بہترین سطح کا کنسلٹنٹ شمار کیا جاتا ہے۔ ویسے علی حماد کا شکر گزار ہوں کہ اپنا کثیر وقت نکال کر پرانے دوست ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ڈاکٹر ضیا ورک اور چٹھہ صاحب بھی حد درجہ تکلف کر کے نیویارک آئے۔ ڈھیر ساری باتیں ہوتی رہیں۔ اہلیہ کے ماموں' ڈاکٹر وحید اکبر بھی نیویارک آ گئے۔ ان کے بچوں سے بھی ملاقات رہی۔ وحید اکبر کا بڑا بیٹا' احمد حد درجہ محبت کرنے والا انسان ہے۔ مین ہیٹن میں وحید اکبر اور احمد ہمیں حد درجہ اچھے ریسٹورنٹ میں لے گئے۔ وہ ایک پاکستانی لڑکی نے کھولا تھا۔ ہارورڈ سے فارغ التحصیل اس لڑکی نے نیویارک میں اعلی درجے کے پاکستانی ریسٹورنٹ کھول رکھے ہیں۔ وحید صاحب کی بیٹی' زینب وہاں وکیل ہے اور کامیابی سے نیویارک میں پریکٹس کر رہی ہے۔

اب ایک تلخ حقیقت کی طرف آتا ہوں۔ ہر سطح کے لوگوں سے ملاقات رہی۔ ہمارے ملک کا مجموعی تاثر کافی حد تک منفی ہے۔ ہمیں وہاں طالبان کے برابر رکھا جاتا ہے۔ افغانستان میں پاکستان کے کردار کو بہت زیادہ شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی سمجھا جاتا ہے کہ پاکستان ایک شدت پسند سماج ہے۔ ہمیں یہاں بتایا نہیں جاتا کہ امریکہ' افغانستان سے ہزاروں کی تعداد میں ہمدرد افغانی شہری امریکہ لے جا چکا ہے۔ ہر شہر میں انہیں آباد کیا جا رہا ہے۔ انہیں امریکی شہریت دی جا رہی ہے۔ وہ لوگ بھی ہمارے ملک کے متعلق منفی تاثر کو مزید بڑھاوا دیتے ہیں۔ جب آپ کسی کو یہ بتاتے ہیں کہ پاکستان سے آیا ہوں' تو وہ خاموش ہو جاتا ہے یا مختصر بات کرنے لگتا ہے۔ اس غیر مثبت تاثر کو کیسے درست کیا جائے۔ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ ویسے اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں کہ پاکستان ترقی کے میدان میں اتنا پیچھے کیسے رہ گیا؟ وہاں جا کر یہ پھانس دل میں چبھتی ہے کہ ہماری حکومتیں عوام کی خدمت میں ناکام کیوں ہیں۔ شائد نصیب کی بات ہے مگر

صرف ہمارا مقدر ہی کیوں خراب ہے؟ امریکہ تو پوری طاقت سے ترقی کر رہا ہے۔ اب اس طرح کے سوالات کا کیا جواب دوں؟